غالب کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ شاعری جس دور میں کی جاتی ہے ،وہ بظاہر صرف اسی دور تک کے لیے ہوتی ہے۔ مگر اچھی شاعری کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ کسی دور میں قید و محدود نہ ہو، بلکہ اس کا اطلاق ہر دور پر کیا جاسکے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی شاعری میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ان کی تخلیقات میں ہمہ جہت مفاہیم پنہاں ہوں۔

غالبؔ کی ایک غزل

ایک مطالعہ

پروفیسر محمد ساجد حسین

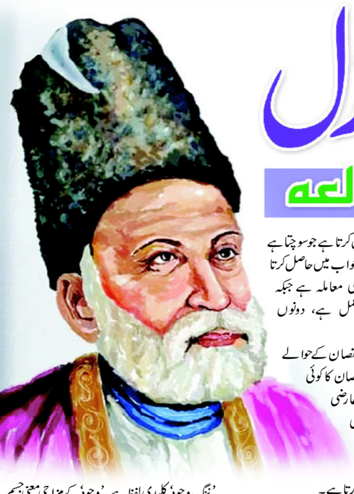

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیِ چشمِ حسود تھا
آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا نہ سود تھا
لیتا ہوں مکتبِ غم دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت، گیا اور بود تھا
ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا
تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسدؔ
سرگشتہ خمارِ رسوم و قیود تھا

غالبؔ اپنے وقت کے ذہین اور پختہ کار شاعر تھے۔ حالات پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ دنیا کی تبدیلیوں سے واقف ہی نہیں تھے بلکہ شاعری کے موضوعات میں بھی عالمی حالات و واقعات کو کامیابی کے ساتھ برتنے کی صلاحیت وقدرت بھی رکھتے تھے۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ شاعری جس دور میں کی جاتی ہے، وہ بظاہر صرف اسی دور تک کے لیے ہوتی ہے، مگر اچھی شاعری کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ کسی دور میں قید و محدود نہ ہو۔ بلکہ اس کا اطلاق ہر دور پر کیا جاسکے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی شاعری میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ان کی تخلیقات میں ہمہ جہت مفاہیم پنہاں ہوسکیں۔

غالب کے اشعار کے معنی کو کسی ایک زاویہ میں سمجھنے یا سمجھانے سے بات بنتی نظر نہیں آتی، قاری کو تشنگی کا احساس رہ جاتا ہے، اس ضمن میں غالبؔ کے دیوان کی دوسری غزل کا انتخاب کیا گیا ہے اور اس کے اشعار کے مختلف مفاہیم کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور ان اشعار کی تشریح وتوضیح کرتے وقت مختلف نکات کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

غالب کی درج ذیل غزل اپنے مختلف مفاہیم کی وجہ سے توجہ طلب ہے، اس میں ایک طرف جہاں فنکارانہ خوبیاں موجود ہیں، وہیں اس میں زندگی سے متعلق کئی سبق بھی سکھائے گئے ہیں، جو اہم ہونے کے ساتھ ہی قابل مطالعہ بھی ہیں۔ اسی افادیت کے پیش نظر غالب کی غزل کا مطالعہ پیش کیا جارہا ہے:

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

قیس کے علاوہ کوئی اور صحرا نورد نہ ہوسکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحرا اپنے وسعت کے باوجود تنگ تھا، وہ دوسرے عاشق سے حسد رکھتا تھا، اس لیے اس نے کسی اور کو اپنی نوردی نہیں کرنے دیا۔

متکلم بھی قیس کی طرح عاشق ہے۔ قیس کی طرح عشق کی تمام پریشانیوں کو جھیل رہا ہے۔ وہ بھی صحرا کی خاک چھان رہا ہے، باوجود اس کے وہ قیس کی طرح عشق کی تاریخ میں اپنا نام درج نہیں کرا پاتا۔ صحرا وہی ہے، عشق وہی ہے مگر وہ قیس نہ ہوسکا۔ گویا کہ متکلم قیس کا حاسد ہے مگر بڑی خوبصورتی سے اس نے صحرا کو حاسد قرار دے کر اپنے علت کو اس پر ڈال دیا ہے۔

ایک معنی یہ بھی ہے کہ متکلم تاریخ کے جبر کو بیان کررہا ہے۔ غالب نے شروع سے ہی قیس کو عشق کے معاملے میں اپنا حریف اور مقابل جانا ہے۔ یہ ان کے شاعرانہ تخیل کی بہترین مثال ہے۔ انہوں نے صحرا کو چشمِ حاسد سے تشبیہ دی ہے۔

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

عشق نے دل پر پڑے کالے دھبے کو ٹھیک کردیا۔ عشق کی گرمی سے وہ داغ دھواں ہوکر نکل گیا۔ یعنی کہ وہ داغ دھواں تھا۔

غالب نے اس شعر میں علت ومعلول سے کام لیا ہے۔ داغ عموماً دھواں سے پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی چراغ جلتا ہے تو اس سے نکلتا دھواں اپنے اوپر کے چھت پر کالا داغ یا دھبہ بنادیتا ہے۔ غالب نے یہاں اسی دھوئیں کے داغ کا ذکر کیا ہے۔ دھواں گویا پریشانی ہے جس کی وجہ سے دل پر داغ ہوجاتا ہے۔ آدمی ایک چراغ ہے اور تیل اس کی زندگی ہے، مگر آشفتگی نے اس پریشانی کو ختم کردیا اور داغ جو دھوئیں کی وجہ سے قائم ہوگیا تھا، دھواں بن کر نکل گیا۔ یعنی پریشانی کے داغ کو پریشانی ہی ختم کرسکتی ہے۔

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا نہ سود تھا

'خواب' دنیا کو کہا ہے۔ یہ دنیا کی مانند ہوتی ہے۔ ہم خواب دیکھتے ہیں اور خواب میں فعل وعمل کرتے ہیں مگر جب آنکھیں کھلتی ہیں تو وہ حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا یعنی کہ دنیا جو نفع ونقصان کا تصور ہے، وہ کچھ نہیں ہے۔ زندگی سے مخاطب ہے۔ 'آنکھ کھلنے' کے معنی یہ ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تب اس کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں، ہاتھ پسر جاتا ہے۔ یعنی احساس ہو جاتا ہے کہ دنیا میں کچھ بھی حاصل نہ کرسکے، خالی ہاتھ آئے تھے، خالی ہاتھ جارہے ہیں۔

نفسیاتی طور پر خواب میں ناکام آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل ہوتی ہے۔ آدمی جو خیال کرتا ہے جو سوچتا ہے اور جس کی تکمیل ممکن نہیں، وہ خواب میں حاصل کرتا ہے۔ خیال شعوری معاملہ ہے جبکہ خواب لاشعوری عمل ہے، دونوں مجرد ہیں۔

دوسرا معنی زندگی کے نفع ونقصان کے حوالے سے ہے کہ دنیا کے نفع ونقصان کا کوئی مطلب نہیں، یہ دنیا اور زندگی عارضی ہے لہٰذا یہاں کے نفع ونقصان کو بھی دوام نہیں اور اس کا احساس آدمی موت کے وقت کرتا ہے ، جب وہ احتساب کے عمل سے گزرتا ہے۔

تیسرا معنی تصوف سے بھی لیا جاسکتا ہے۔ دنیا عالم خواب ہے، عالم تمثال ہے۔ دنیا فریب نظر ہے۔ یہاں 'خواب' استعارہ ہے دنیا کا۔ اور 'خیال' تصوف میں وجود کے منزلوں سے متعلق انکشافات کا نام ہے۔ 'آنکھ کھل گئ' بشکل محاورہَ استعمال کیا گیا ہے۔ عرفان کے معنی ہیں۔ بحیثیت سالک نفع نقصان کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا۔ زمانہ مطلق میں پہنچ کر سود وزیاں کا تصور باقی نہیں رہ جاتا۔

لیتا ہوں مکتبِ غم دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت، گیا اور بود تھا

جس طرح مدرسے میں مبتدی سبق 'رفت' معنی جانا اور 'بود' معنی تھا یاد کرتا ہے، اسی طرح میں عشق کے درجے میں مبتدی ہوں اور آج تک مبتدی ہوں۔

'مکتب غم دل' عشق کی تعلیم کا استعارہ ہے۔ خانقاہوں اور مٹھوں میں عشق کی تعلیم دی جاتی ہے جہاں طالب علم 'رفتن' اور 'بودن' کے مصدر کو یاد کرتا ہے۔ شاعر یہاں عشق کو نہ سمجھ سکنے کی اپنی کمی اور کمزوری کو بیان کررہا ہے۔

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

'ننگ وجود' کلیدی لفظ ہے۔ 'وجود' کے مزاجی معنی جسم کے اور بدن کے ہیں۔ حقیقی معنی ہستی کا ہے جبکہ 'ننگ' معنی شرم کے آڑ کے ہوتا ہے۔ 'ننگ وجود' کی ترکیب سے مراد زندگی کے باعث ذلت وخواری کے ہیں یعنی کہ جسم رکھنا ذلت وخواری اور باعث شرم ہے۔

زندگی ہر روز ہر لمحے کوئی نہ کوئی انسانی عیب کو ظاہر کرتی رہی میں نے اسے ڈھکنے چھپانے کے لیے لاکھ جتن کیے مگر اس سے کچھ نہ ہوا اگر زندگی ہے تو پھر انسانی سرشت اور اس کی کمیاں ظاہر ہوتی رہیں گے مگر جیسے ہی مرا یہ معاملہ ختم ہوگیا۔ لوگ زندگی میں اس کی برائیوں کو خوب ظاہر کرتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ مرتا ہے لوگ اس کو اچھے کام سے یاد کرنے لگتے ہیں اور وہ اب 'مرحوم' کہلانے لگتا ہے۔

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتہ خمارِ رسوم وقیود تھا

دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ اور بہانہ چاہیے۔ حد تو یہ ہے کہ عشق اور جنون بھی اس کے پابند ہیں ورنہ فرہاد کو مرنے کے لیے تیشے کی ضرورت کیوں پڑتی ؟

مختصراً یہ کہنا بجا ہوگا کہ غالبؔ کی شاعری میں ہزار رنگ پائے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں سادگی بھی ہے، معانی دار پہلو بھی ہے، تشکیک پسندی بھی ہے، استدلالی انداز بھی ہے، لطافت خیال بھی ہے، زندگی کی محرومیوں کا اظہار اور زندگی کی صداقتوں کا بیان بھی ہے۔ طنز ومزاح اور شوخی وظرافت کا عنصر بھی غالب کے یہاں موجود ہے، پیکر تراشی اور تصور کاری وتصویر کاری کے جواہر سے بھی ان کی شاعری معمور ہے۔ ■

Dept. of Urdu, Dyal Singh College (E.)
University of Delhi, Lodhi Road
New Delhi-110003

غزل

نگاہوں کی عبادت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے
محبت کی شریعت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

ہدایت ہی ہدایت ہے کتاب اللہ میں لیکن
الٰہی کی ہدایت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

ہزاروں بار پوچھا حال مفلس کا مگر سب نے
غریبوں کی ضرورت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

کھلونا بن گئے عشاق دوشیزہ کے ہاتھوں کا
مگر باہم رقابت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

دکھا کر خواب ساحل کا ہمیں منجدھار میں چھوڑا
سمندر کی سیاست کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

بجھا ڈالے مروت کے دئے آہستہ آہستہ
ہواؤں کی شرارت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

مسلسل منقسم ہوتے گئے نایابؔ فرقوں میں
جماعت کی کرامت کو نہ ہم سمجھے نہ تم سمجھے

سلیم نایابؔ فیروزآبادی
Nayaab Manzil Shreefabad Ramgarh
Road Firozabad-283203 (U.P)
Mobile:7417609619

ہم بشر ہیں تو یہ ممکن ہے خطا ہوجانا

ڈاکٹر صبیحہ ناہید

مظاہر فطرت میں ایک زبردست وحدت، سرتال اور ہم آہنگی ہے۔ اس کا اندازہ ان سیاروں کا ایک مقررہ رفتار سے محو سفر ہونا، سورج کا مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا، زمین پر معینہ اوقات پر موسم کا آنا جانا، انسانی دل کا ایک منٹ میں 72بار دھڑکنا اور پھیپھڑے کا ایک منٹ میں 1817بار پھیلنا اور سکڑنا وغیرہ فطرت کی زبردست تنظیم کے نمونے ہیں۔ یہ سرتال اور ہم آہنگی تندرو سیارے سے لے کر دھڑکتے ہوئے دل تک میں پائی جاتی ہے۔

حالیہ دنوں میں خلیج کے سب سے امیر اور داد عشرت دینے والے ریگستانی شہر دبئی اور اس سے متصل دیگر علاقوں میں تیز آندھی، طوفان اور بے انتہا بارش کی وجہ سے کئی جانوں کا اتلاف بھی ہوا ہے اور وہاں کی زندگی درہم برہم ہوگئی ہے نیز معیشت پر بھی بہت برا اثر پڑا ہے۔ اس بحرانی صورت حال کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں لیکن ایک بڑی وجہ مصنوعی بارش کی تکنیک کے استعمال میں کوئی فالٹ کا ہوجانا بتایا جارہا ہے۔ لیکن اس کی سب سے بڑی وجہ قدرت کے اس کارخانے کی بیجا میخ کنی ہے جسے ہم بنی نوع انسان اپنے فائدے کی خاطر کرتے رہتے ہیں۔ نتیجتاً ہمیں آئے دن پہاڑوں پر پھٹنے والے بادل کے نتیجے میں بے تحاشہ بارش، بار بار زلزلے کا محسوس کیا جانا، موسموں میں شدت اور بے وقت کا آنا اور جانا، کرۂ ارض پر بارش کے کم ہونے کی وجہ سے پانی کی قلت کا ہونا، چرند و پرند اور جانوروں نیز کیڑے مکوڑوں کی کئی نسلوں کا عنقا ہو جانا وغیرہ متعدد حالات سے یہ کرۂ ارض دوچار ہورہا ہے۔

متذکرہ بالا انہیں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ بارش کی کمی کا ہے جسے مصنوعی طور پر حل کرنے کی کوشش میں خلیجی مما لک کو اتنے وحشت ناک حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ دراصل قدرت کا قانون اتنا منظّم اور اپنی جگہ درست ہے کہ ہم دخیل ہونا تو چاہتے ہیں لیکن اپنے بشر ہونے کا ثبوت دے ہی دیتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر ہم اس سرزمین اور اس پر پائی جانے والی مخلوقات اور اس کے منظّم ہونے پر نگاہ بصیرت ڈالیں تو اس iIntelligent desigener کے قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکتے۔

خالق کائنات نے اس عالم کو جتنا رنگ برنگا، خوبصورت اور حیرت انگیز بنایا ہے، اتنا ہی منظّم بھی رکھا ہے۔ ہم جس روئے زمین پر بود و باش اختیار کیے ہوئے ہیں اس پر بھی نگاہ ڈالیں تو انواع واقسام کے جاندار، چرند، پرند، گہرے سمندر، بلند وبالا پہاڑوں کے سلسلے، لہراتی بل کھاتی ندیاں اور بے شمار چیزیں بظاہر بے ربط اور بکھری ہوی دکھائی دیتی ہیں، لیکن درحقیقت فطرت کے یہ عناصر ایک زبردست نظم وضبط کے ساتھ اس کرۂ ارض پر جلوہ گر ہیں۔

ہماری ظاہر بین نگاہیں صرف دریا، وادی، پہاڑ، ندی اور چاند ستاروں کو بے ترتیب انداز میں بکھرے ہوئے دیکھتی ہیں لیکن ان میں ایک غیر معمولی ربط پایا جاتا ہے۔ کائنات فطرت کے اس ربط و تنظیم کا اندازہ ہمیں اس روئے زمین پر رونما ہونے والے مختلف واقعات وحادثات سے ہوتا ہے، مثلاً چودھویں کے چاند والی رات میں سمندر میں تیز جوار بھاٹے اٹھنے لگتے ہیں۔ فطرت کے نظم کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہزاروں میل دور رہنے والا چاند سمندر کو کس طرح اثر انداز کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ نے اپنی تخلیق ''عظیم کائنات کا عظیم خدا'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''کائنات پر نظر ڈالیے۔ ہر شئے پابند آئین نظر آئے گی۔ پانی ہر جگہ نشیب کی طرف جارہا ہے، آگ بلندیوں کی طرف۔ زندگی ہر مقام پر بچپن سے جوانی اور پیری کے منازل طے کررہی ہے۔ ہر صبح کے بعد شام آتی ہے اور ہر شام کے بعد صبح۔ کائنات کے اس نظم ونسق سے عیاں ہے کہ اس پر ایک ہمہ گیر قانون کی حکومت ہے۔''

(عظیم کائنات کا عظیم خدا، ڈاکٹر جیلانی برق، ص72)

کائنات کی اس مربوط شکل وصورت کے بارے میں انگلستان کا ایک شاعر فرانسس تھامپسن (1859-1907) کہتا ہے:

''کائنات کی تمام اشیاء کو
خواہ وہ قریب ہوں یا دور
ایک لازوال طاقت نے / خفیہ طور پر
یوں ایک دوسرے سے باندھ رکھا
کہ اگر آپ ایک پھول
کو چھیڑیں تو آسمان
پر کوئی تارا کانپ اٹھے گا''

(عظیم کائنات کا عظیم خدا، ص84)

بیشتر ماہرین فلکیات کی رائے یہ ہے کہ ستارے ایک خاص قانون اور نظم ونسق کے پابند ہیں۔ قوانین فطرت میں سے ایک یہ ہے کہ ہر ذرہ دوسرے کو کھینچ رہا ہے۔ زمین کی طرح آسمان کی بھی، ریاضی، فزکس اور کیمسٹری ہے جسے علم فلکیات کہنا صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر ہم زمین کا ذکر کریں تو تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ زمین بیک وقت تین طرح سے گردشیں کررہی ہے۔ ایک گردش اپنے گرد، دوسری سورج کے گرد اور تیسری ساری نظام شمسی کے ہمراہ کسی نا معلوم مرکز کے گرد۔ زمین کا بیک وقت یوں تین گردشیں کرنا فطرت کے اس عظیم نظم ضبط کا مظہر ہے۔ فطرت کے اس تنظیم کے بارے میں برطانیہ کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمس جینز نے کہا ہے:

The trembeling universe must have been balanced with almost unthinkable precision. (اس کانپتی ہوئی کائنات کو کسی غیر مرئی ہاتھ نے ناقابل تصور چابک دستی سے متوازن کیا ہوا ہے۔)

جب ہم جاندار اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر جگہ مقصد، پلان، ترتیب، آرڈر اور نظم ونسق دکھائی دیتا ہے۔ ہر جاندار ماحول کے سانچے میں ڈھل رہا ہے۔ کچھ جانور ایسے ہیں جو صرف خشکی پر زندہ رہ سکتے ہیں۔ کچھ ہوا میں کچھ کھارے پانی میں تو کچھ میٹھے پانی میں جی سکتے ہیں۔ مچھلی کی ایک قسم سمندر کی ان گہرائیوں میں رہتی ہے جہاں روشنی نہیں پہنچ سکتی۔ کچھ ایسے جانور بھی ہیں جو قطبین کے برفوں میں رہتے ہیں اور بعض دیگر خط استوا کی سخت گرمی میں۔ قدرت نے جانوروں کی حفاظت کا بھی حیرت انگیز انتظام کیا ہے کہ جو جانور جس ماحول میں رہتا ہے اسی کے مطابق رنگ وروپ دے دیا ہے۔ تیتر، طوطا، خرگوش اور ہرن اس کی واضح مثالیں ہیں۔

مظاہر فطرت میں ایک زبردست وحدت، سرتال اور ہم آہنگی ہے۔ اس کا اندازہ ان سیّاروں کا ایک مقررہ رفتار سے محو سفر ہونا، سورج کا مشرق سے طلوع ہوکر مغرب میں غروب ہونا، زمین پر معینہ اوقات پر موسم کا آنا جانا، انسانی دل کا ایک منٹ میں 72بار دھڑکنا اور پھیپھڑے کا ایک منٹ میں 1817بار پھیلنا اور سکڑنا وغیرہ فطرت کی زبردست تنظیم کے نمونے ہیں۔ یہ سرتال اور ہم آہنگی تندرو سیارے سے لے کر دھڑکتے ہوئے دل تک میں پائی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں برطانیہ کے ایک شاعر سیموئیل راجرز نے بہت خوب کہا ہے:

The very law which moulds a tear
and bids it trickle from its source
that law preserves the earth a sphere
and guide the planets in their course

(وہی قانون آنسو بناتا ہے اور اسے آنکھ سے ٹپکاتا ہے۔ وہی قانون زمین کو متوازن رکھتا ہے اور سیّاروں کو ان کی گذرگاہوں پر چلاتا ہے)

خود انسانی جسم قدرت کی سب سے نادر اور انوکھی تخلیق ہے جس کا نظم وضبط فطرت کے منظّم ہونے کی بہترین مثال ہے۔ جس طرح انسانوں نے مختلف کاموں کے لیے مختلف قسم کے لیور بنائے ہیں، انسانی جسم میں بھی قدرت نے مختلف قسم کے لیور کا انتظام کیا ہے۔ مثلاً ایک لیور سر اٹھانے اور جھکانے کے لیے، دوسرا بدن کو سہارا دینے کے لئے، تیسرا اشیا کو اٹھانے کے لیے۔ پھر جسم کے ہر جوڑ پر قبضے لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے کندھے، گھٹنے، ٹخنے اور کلائی، کہنی اور کمر کو مضبوط قبضوں نے جکڑ رکھا ہے۔ بدن میں عروق کا جال بچھا ہوا ہے، جابجا والو لگے ہوئے ہیں، ہوا غذا کی نالی میں نہیں جاسکتی اور نہ غذا ہوا کی نالی میں۔ انسانی جسم کے مربوط ہونے کی مثال روزمرہ کے زندگی میں دیکھنے کو ملتی ہے مثلاً اگر انسان کی ایک انگلی مجروح ہو جاتی ہے تو باقی تمام انگلیاں متاثر ہوجاتی ہیں اور صحیح ڈھنگ سے کام کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔ ایسا قانون فطرت کے بے پناہ نظم وضبط کے نتیجے میں ہی ہوتا ہے۔

اگر ہم بصیرت کے دریچے وا کریں تو ان تمام نشانیوں سے اس کارخانۂ قدرت وفطرت کو بنانے والے اور نظم ضبط کے ساتھ چلانے والی اس طاقت کو بخوبی پہچان سکتے ہیں۔ غور و فکر کرنا ہی انسان کو دیگر جانداروں سے منفرد بناتا ہے اور 'اشرف المخلوقات' کا درجہ عطا کرتا ہے۔ کارخانۂ قدرت اور اس پر پائی جانے والی زندگی اور اس کے نظم وضبط پر مشہور شاعر پنڈت برج نارائن چکبستؔ نے کیا خوب کہا ہے:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

Mobile: 9810765575
snaheed3@gmail.com

نوٹ : مضامین وتخلیقات میں ظاہر کی گئی آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔